حج بیت اللہ اور فتنہ حجاز

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ھُوَالنَّاصِرُ

حج بیت اللہ اور فتنہ حجاز

(تحریر فرمودہ جون ۱۹۲۵ء)

(۱)

چونکہ ان دنوں حج بیت اللہ کے جواز یا عدم جواز کا سوال پیش ہے۔ اور مختلف لوگ اس کے متعلق اپنی آراء شائع کر رہے ہیں۔ اور ہندوستان کے مسلمان سیاسی لیڈروں نے تو زور دے کر اس سال حج کے لئے جہاز روانہ کرائے ہیں۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میں احمدیہ جماعت کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے اپنی رائے ظاہر کردوں تا ہماری جماعت کے لوگ بے فائدہ تکلیف اور دکھ سے بچ جائیں۔ اور تا جو اور لوگ مجھ پر حسن ظنی رکھتے ہیں اور ان لوگوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے ایک مخلصانہ مشورہ سے محروم نہ رہ جائیں۔

میں اپنے تمام دوستوں کو شروع مضمون میں ہی بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس سال حج کرنا فتنہ کا موجب ہے۔ اور شریعت کے حکم کے ماتحت اس سال حج کے ارادہ میں التواء کرنا بہتر ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ حج بہر صورت اور ہر حالت میں فرض نہیں ہے بلکہ اسی وقت اور اسی پر فرض ہوتا ہے جب اور جس شخص میں بعض شرائط پائی جاویں۔ اور انہی شرائط میں سے ایک امن کا وجود بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ حج اس پر فرض ہے کہ جس میں وہاں پہنچنے کی استطاعت ہو۔ یعنی آمد و رفت کا کرایہ ہو، گھر والوں کا خرچ ہو، راستہ میں امن ہو، اس کی صحت اچھی ہو اور سفر کی تکالیف کو برداشت کر سکتا ہو وغیرہ وغیرہ۔ اور چونکہ اس سال مکہ مکرمہ کی راہ مخدوش ہے اس لئے میرے نزدیک ہندوستان کے لوگوں کے لئے اور ان دیگر ممالک کے لوگوں

کے لئے جن کو بحری سفر کے ذریعہ سے مکہ مکرمہ تک پہنچنا پڑتا ہے اس سال حج ضروری نہیں ہے بلکہ اس کا ملتوی کرنا بہتر ہے۔ انسان غیب کے حالات کو نہیں جانتا اور ہم نہیں کہہ سکتے کل کیا ہو۔ مگر فیصلہ موجودہ حالات پر لگایا جاتا ہے اور وہ حاجیوں کے لئے مخدوش ہیں۔

میری رائے کی بنیاد مندرجہ ذیل امور پر ہے۔ ان دنوں امیر ابن سعود اور شریف علی والی حجاز کے درمیان جنگ ہو رہی ہے۔ اور باوجود کوشش کے فریقین نے جنگ کو ملتوی کرنے کا ارادہ ظاہر نہیں کیا۔ اس لئے بالکل ممکن ہے کہ حاجیوں کو لڑائی کے قدرتی نقصانات برداشت کرنے پڑیں۔ اور وہی مثل صادق آئے کہ "جوگی جوگی لڑیں اور کھپروں کا نقصان" دو جنگجو مسلح ایک دوسرے کو فنا کر دینے کا ارادہ کرنے والی قوموں کے درمیان ایک غیر مسلح بے بس جماعت کا آجانا جن خطرات کا موجب ہو سکتا ہے ان کا قیاس کر لینا کچھ مشکل نہیں اور ان کی موجودگی میں حج کا ارادہ کرنا جائز نہیں ہو سکتا۔

موجودہ حالت حجاز کی یہ ہے کہ امیر ابن سعود امیر نجد اس وقت مکہ مکرمہ پر قابض ہیں۔ شریف علی ملک الحجاز جدہ اور ساحل سمندر کے اکثر علاقہ پر قابض ہیں۔ امیر ابن سعود کی فوجوں نے جدہ کا محاصرہ کیا ہوا ہے۔ اور ان کی پوری کوشش اس امر میں خرچ ہو رہی ہے کہ شریف علی کا تعلق عرب کی ان جنگجو قوموں سے نہ ہو جو اندرون عرب میں بستی ہیں تاکہ وہ اپنی فوجی طاقت کو بڑھا سکیں۔ شریف علی ایک قلیل فوج کے ساتھ جس کے افسر اکثر شامی لوگ ہیں جو قدیم ترکی فوج کے بقیہ ہیں اور انہوں نے ترکی کالجوں میں فنون حرب سیکھے ہوئے ہیں فوج کا ایک حصہ بھی شامی لوگوں پر مشتمل ہے۔ اور باقی حجازی قبائل کے لوگ ہیں۔ جدہ اور اس کے گرد و نواح میں اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ غلہ جو حجاز کو سمندر کی جانب سے آیا کرتا ہے مکہ مکرمہ اور پاس کے علاقہ میں نہ پہنچنے دیں تاکہ امیر نجد تنگ آکر محاصرہ اٹھالیں اور لوگوں میں بھی فاقوں کی وجہ سے امیر نجد کی حکومت کے خلاف بے اطمینانی پیدا ہو جائے اور وہ ان کو چھوڑ کر شریف علی سے مل جاویں۔ چونکہ حج کا مروّجہ راستہ جدہ میں سے ہو کر گذرتا ہے۔ اس لئے اس راستہ سے ہو کر حج کو جانا تو بالکل ناممکن ہے۔ مگر اس راستہ کے سوا کچھ اور راستے بھی ہیں۔ جن میں سے ایک رابغ ہے جو مکہ مکرمہ کی قدیم بندر گاہ ہے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اسی بندر (بندر گاہ) سے مکہ کے لوگ پار کے ممالک کی طرف جاتے تھے۔ اور صحابہ کرام ہجرت حبشہ کے وقت اسی بندر سے ابی سینیا یا بعض لوگوں کے نزدیک یمن کی طرف ہجرت کر کے گئے تھے' یہ بندر

مکہ مکرمہ سے پانچ منزل پر واقع ہے۔ اور معمولی حالات میں مکہ سے رابغ تک انسان پانچ دن میں پہنچ جاتا ہے۔ رابغ اور ردو اور بندر اس وقت امیر ابن سعود کے قبضہ میں ہیں۔ اور اس وجہ سے تحریک کی جارہی ہے کہ حاجیوں کے جہاز اگر اس بندر پر جاویں تو آسانی سے مکہ پہنچ سکتے ہیں۔ مگر اس خیال کے لوگوں کی نظروں سے چند امور پوشیدہ ہیں۔

۱۔ رابغ گو پرانا بندر ہے لیکن بڑے جہازوں کے ٹھہرنے کے قابل نہیں۔ کیونکہ وہاں عام طور پر بڑے جہاز نہیں ٹھہرتے اور خصوصاً چونکہ وہ اب مکہ کا بندر نہیں ہے اس لئے وہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان کی منزلیں غیر آباد ہو چکی ہیں۔ پس نہ تو رابغ میں حاجیوں کے آرام کے لئے کافی جگہ مل سکتی ہے اور نہ راستہ کی منزلوں میں ان کے ٹھہرنے کی کوئی مناسب صورت ہو سکتی ہے۔ مزید برآں عرب میں سب سے اہم سوال کھانے پینے کا ہوتا ہے اور پانچ منزلوں پر کافی ذخیرہ کھانے پینے کا مہیا کر دینا ایک بہت بڑا کام ہے۔ امیر ابن سعود نے انتظام کا وعدہ کیا ہے مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ امیر ابن سعود جنگی آدمی ہیں۔ اور عرب کے باشندے ہیں۔ وہ انتظام کے جو معنے سمجھتے ہیں وہ بالکل اور ہیں۔ ایک عرب سپاہی کھجور کی گٹھلیاں کھا کر یا درختوں کی چھال کھا کر کئی دن گذارہ کر لیتا ہے۔ اور پانی کا ایک گھونٹ اس کی تشنگی کے بجھانے کے لئے کافی ہوتا ہے یہ چیزیں ہندوستانی آدمیوں کے لئے گذارہ نہیں کہلا سکتیں۔ اور خصوصاً عورتوں بچوں کے لئے تو ایسے حالات میں یقینی تباہی ہے۔ وہ جو کچھ بھی انتظام کریں گے اس میں ہندوستانی طریق رہائش کا لحاظ نہیں رکھا جا سکتا۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہوٹلوں اور اعلیٰ قہوہ خانوں کا انتظام نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ انتظام تو پہلے بھی نہ تھا۔ میرا مطلب انتظام سے یہ ہے کہ پینے کو پانی مل جائے اور کھانے کو غلہ اور کافی اونٹ ہوں۔ جن پر لوگ سوار ہو کر مکہ پہنچ سکیں۔ میرا جہاں تک خیال ہے امیر ابن سعود کے لئے باوجود اس کے کہ ان کی کامیابی اس سال کے حج کی کامیابی پر منحصر ہے' یہ انتظام بھی مشکل ہو گا۔

۲۔ دوسری دقّت یہ ہے کہ رابغ گو امیر ابن سعود کے قبضہ میں ہے مگر اس کا راستہ ساحل کے کنارے کنارے مکہ کی طرف جاتا ہے اور یہ علاقہ شریف علی کے قبضہ میں ہے۔ چونکہ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں شریف علی کو حاجیوں کے مکہ پہنچنے میں سخت نقصان کا اندیشہ ہے اس لئے وہ بھی آسانی سے ان قافلوں کو گذرنے نہیں دیں گے۔ اور ضرور ہے کہ اگر خود مصلحتاً حاجیوں کے قافلوں پر دست درازی نہ کریں تو ملحقہ گرد کے قبائل کو اُکسا کر ان سے حملہ کروا دیں اور حاجیوں کو مال اور جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔

۴- مگر سب سے اہم سوال رابغ تک پہنچنے کا ہے- قوانینِ دُوَل کے مطابق ہر بادشاہ اپنے ساحل کے تین میل کے اندر سمندر کا مالک سمجھا جاتا ہے- اور کھلے سمندر میں بھی ہر بادشاہ کا جو دوسرے بادشاہ سے لڑائی کر رہا ہو حق ہے کہ اس کے ملک میں جانے والے غلہ اور ان اشیاء کو لُوٹ لے جو جنگ میں کام آتی ہیں- چونکہ شریف علی کے پاس جنگی بیڑا ہے اور امیر ابن سعود کے پاس نہیں ہے اس لئے امیر ابن سعود تو حاجیوں کے جہازوں کی حفاظت نہیں کر سکتے- مگر شریف علی ہر اس جہاز کو جس کی منزل مقصود امیر ابن سعود کا علاقہ ہو' لوٹ سکتے ہیں اور پکڑ سکتے ہیں- چونکہ شریف علی کی کامیابی کا انحصار ہی اس امر پر ہے کہ امیر ابن سعود کو غلہ نہ پہنچے- اس لئے وہ پورا زور لگائیں گے کہ حاجیوں کے جہاز جو کئی ہزار ٹن غلہ بھی لے جا رہے ہیں منزل مقصود تک نہ پہنچ سکیں اور راستہ میں ہی پکڑ لئے جاویں- اس سے ایک تو امیر ابن سعود کو نقصان ہو پہنچے گا دوسرے غلہ کی بہتات کی وجہ سے شریف علی کی طاقت بڑھ جائے گی- پس اندریں حالات شریف علی حتی المقدور حاجیوں کو رابغ نہیں پہنچنے دیں گے اور راستہ میں ہی گرفتار کر کے جدہ لے جانے کی کوشش کریں گے اور یہ کام ان کے لئے بہت آسان ہے- اگر رابغ پر کھڑے ہوئے جہاز کو بھی وہ جنگی جہاز کے ذریعہ سے گرفتار کرنے کی کوشش کریں تو امیر ابن سعود بوجہ جنگی بیڑا نہ رکھنے کے کچھ نہیں کر سکتے اور اس امر میں شریف علی بالکل قوانینِ دُوَل کے دائرہ کے اندر کام کر رہے ہوں گے- یہ بھی ممکن ہے کہ وہ حاجیوں کے اُتر جانے کے بعد جہاز پر قبضہ کرنے کی کوشش کریں- اگر ایسا ہوا تو حاجی خوراک سے بالکل محروم رہ جائیں گے-

شریف علی کو یہ بھی تقویت حاصل ہے کہ بوجہ ان خبروں کے کہ امیر ابن سعود اور شیخ سنوسی کا آپس میں کوئی سمجھوتہ ہوا ہے اٹلی کا میلان ان کی طرف ہے اور اٹلی کا علاقہ مسووا رابغ کے مقابلہ پر ہے اور وہاں اٹلی کے ساحلی جہاز ملک کی حفاظت کے لئے رہتے ہیں- یہ جہاز بغیر اس امر کے ظاہر ہونے دینے کے کہ وہ شریف علی کی حمایت کر رہے ہیں بحیرہ احمر میں سے گذرنے والے ان جہازوں کی خبر رکھ سکتے ہیں جو رابغ جا رہے ہوں- اور وقت پر شریف علی کو اطلاع دے سکتے ہیں- اٹلی آگے بھی کافی ذخیرہ سامانِ حرب کا حجازی حکومت کو دے چکا ہے- ان حالات میں حاجیوں کے جہازوں کی حالت بہت خطرہ میں ہو گی-

میں یہ نہیں کہتا کہ ان حالات میں جہازوں کا پہنچنا ناممکن ہے- نہایت زبردست بیڑوں کی موجودگی اور تجربہ کار بحری کمانڈروں کی موجودگی میں بھی بعض جہاز دھوکا دے کر نکل جاتے ہیں-

مگر خطرہ کا حصہ ایسے موقعوں پر بہت زیادہ ہوتا ہے اور ایسے خطرہ میں اپنی جان کو ڈال کر حج کر لئے جانا شریعت کے حکم کے خلاف ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اس دفعہ کا حج سیاسی حج ہے۔ امیر ابن سعود کی تمام کوششیں حج کی تائید میں صرف اس لئے ہیں کہ اگر اس سال حج نہ ہو تو ڈیڑھ دو لاکھ من غلہ جو ان دنوں عرب میں پہنچ جاتا ہے وہ نہیں پہنچے گا۔ اور اس سے ان کو بہت نقصان پہنچے گا۔ دوسرے وہ چونکہ بیرونی اسلامی دنیا سے بالکل بے تعلق ہیں وہ چاہتے ہیں کہ اس موقع پر تمام دنیا کے مسلمانوں سے ان کے تعلقات قائم ہو جائیں۔ تیسرے حج کی آمد پر اہل مکہ اور ارد گرد کے قبائل کا سال بھر گزرتا ہے۔ اگر حج نہ ہو تو ان لوگوں کی حالت پریشان ہو جائے گی۔ اور حکومت نجد پر ان کا بوجھ پڑے گا۔ اور اگر حکومت ان کا انتظام نہیں کرے گی تو ملک میں ایسی بے چینی پیدا ہو گی جس کا سنبھالنا حکومت کے لئے مشکل ہو گا۔ پس امیر ابن سعود اپنا سارا زور اس امر کے لئے خرچ کر رہے ہیں کہ کسی طرح لوگ حج کے لئے آویں تاکہ غلہ بھی مکہ میں پہنچ جائے' لوگوں کے گذارہ کا بھی سامان ہو جائے اور عالم اسلام کی رائے کو بھی وہ اپنے حق میں کر لیں۔

ہندوستان کے مسلم لیڈر بھی حج کی تائید محض سیاست کی وجہ سے کر رہے ہیں۔ وہ شریف علی کے دشمن ہیں کیونکہ انہوں نے ترکوں کے خلاف جنگ کرنے میں سب سے زیادہ حصہ لیا تھا۔ اور وہ جانتے ہیں کہ اگر اس سال حج نہ ہوا تو شریف علی کی طاقت بہت بڑھ جائے گی۔ امیر ابن سعود کی نسبت یہ مشہور کیا جا رہا ہے کہ وہ ترکوں کے ساتھ ہیں۔ وہ ایک زمانہ میں ترکوں کے سخت دشمن تھے۔ موجودہ زمانہ میں ان کا میلان ترکوں کی طرف اگر ہے تو اس کی وجوہ محض سیاسی ہیں دلی محبت اس کا باعث نہیں۔ مگر بہرحال چونکہ شریف کی طاقت کو توڑ رہے ہیں اس لئے ہندوستان کے مسلمان ان کی تائید میں ہیں۔ گو وہ مذہباً ہندوستان کے رائج الوقت مذہب کے خلاف ہیں یعنی حنفی مذہب کے سخت مخالف ہیں۔ اور اس خاندان کے درخشندہ گوہر ہیں جن سے وہابیت نکلی ہے۔ پس ہندوستان کے لیڈروں کی تائید امیر ابن سعود کی محبت کی وجہ سے نہیں بلکہ شریف علی کی مخالفت کی وجہ سے ہے۔ لَا بِحُبِّ عَلِيٍّ بَلْ بِبُغْضِ مُعَاوِيَةَ پھر ایک دفعہ اپنا رنگ دکھا رہا ہے۔ مگر خدا کرے کہ اس ذاتی بُغض و عناد کا شکار وہ غریب حاجی نہ ہوں جو اپنی سادہ لوحی سے مؤیدین امیر ابن سعود کے مواعید و مواثیق پر یقین کر کے حج کے لئے روانہ ہو چکے ہیں یا ہو رہے ہیں۔ آئندہ واقعات ہی اس امر کو ظاہر کریں گے جو خدا تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ مگر موجودہ حالات پر

قیاس کر کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ حاجیوں کی جانیں اور مال سخت خطرہ میں ہیں۔ گو دل سے یہی دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے سامان پیدا کر دے کہ وہ غریب لوگ جو اس کے جلال کے ظاہر کرنے والے گھر کی زیارت کی غرض سے اس خطرہ کے وقت میں گھروں سے نکلے ہیں ہر قسم کے شر سے محفوظ رہیں۔ آمین۔

میں اِنْشَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی اگلے مضمون میں عرب کے موجودہ فتنہ کے متعلق سیاسی نقطہ نگاہ سے بھی کچھ روشنی ڈالوں گا۔

خاکسار
مرزا محمود احمد
(الفضل ۴ جون ۱۹۲۵ء)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ھُوَالنَّاصِرُ

حج بیت اللہ اور فتنہ حجاز

(تحریر فرمودہ جون ۱۹۲۵ء)

(۲)

میں نے پچھلے مضمون میں حج بیت اللہ کے متعلق اپنی رائے لکھی تھی کہ موجودہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس سال حج کے لئے جانا شریعت کے احکام کے خلاف ہے۔ گو خطرات اس قسم کے نہیں ہیں کہ کہا جاسکے کہ ضرور ہی ہر شخص تکلیف اٹھائے گا مگر ایسے ضرور ہیں کہ غالب گمان یہ ہے کہ لوگوں کو تکلیف ہوگی اور ممکن ہے کہ وہ تکلیف سینکڑوں کے لئے ہلاکت کا موجب ہو یا ان کی صحت اور دماغ پر ناقابل تلافی اثر ڈالے اور ایسے حالات میں حج فرض نہیں رہتا بلکہ پسندیدہ بھی نہیں ہوتا۔ اور اس کی تحریک کرنے والے شریعت کی روح کو اور اس کے مغز کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مجھے خصوصیت سے اس امر پر تعجب آتا ہے کہ آج سے کچھ سال پہلے یہی لوگ جو آج حج کے فرض ہونے پر زور دے رہے ہیں' لوگوں کو روک رہے تھے کہ مکہ کی حالت مخدوش ہے لوگوں کو حج کے لئے نہیں جانا چاہیئے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت مکہ پر شریف علی کا قبضہ تھا۔ اور یہ لوگ چاہتے تھے کہ ان کو کسی طرح نقصان پہنچے۔ پس اس وقت کا طریق عمل موجودہ طریق عمل سے مل کر بتا رہا ہے کہ حج کی تحریک حج کی خاطر سے نہیں ہے' بلکہ محض سیاسی وجوہ سے ہے۔ اور یہ بات نہایت قابل افسوس ہے اور دین کو بازیچہ اطفال بنانے کے مترادف۔

اس سال حج کو جانے کے متعلق جو میری رائے ہے اس کو بیان کرنے کے بعد میں چاہتا ہوں کہ فتنہ حجاز کے متعلق بھی کچھ بیان کروں۔ کیونکہ حجاز کی حکومت کا سوال سب مسلمان کہلانے

والے فرقوں سے تعلق رکھتا ہے خواہ احمدی ہوں خواہ غیر احمدی۔

جس وقت ترک جنگ عظیم میں شامل ہوئے ہیں اس وقت دُوَلِ مُتّحدہ یعنی برطانیہ ' فرانس اور اٹلی نے کوشش شروع کی کہ عرب لوگ ان کے ساتھ مل جاویں اور ترکوں کا ساتھ چھوڑ دیں۔ اس سے ان کی تین غرضیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ ترکوں کی طاقت کمزور ہو جائے گی۔ اور ان کو کچھ حصہ فوج کا عربوں کے مقابلہ کے لئے رکھنا پڑے گا۔ خصوصاً یہ خیال تھا کہ مصر محفوظ ہو جائے گا۔ کیونکہ مصر کی طرف راستہ عرب علاقہ میں سے گذر کر جاتا ہے۔ دوسری یہ کہ ترکوں کو غلہ مہیا کرنے والے حصے زیادہ تر عرب علاقے ہیں۔ یعنی عراق اور شام۔ پس عربوں کو ساتھ ملانے سے اتحادیوں کو امید تھی کہ ترکوں کو غلہ وغیرہ مہیا کرنے میں دقّت ہو گی۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ اتحادی خیال کرتے تھے کہ اگر عرب لوگ ساتھ مل گئے تو عالم اسلامی کو جو ہمدردی ترکوں سے ہے وہ نہ رہے گی۔ کیونکہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے ساکنین ہمارے ساتھ مل جاویں گے۔

چونکہ ترکی حکومت کے دور جدید میں عربوں پر سخت ظلم کئے جاتے تھے ان کو اچھے عہدے نہیں دیئے جاتے تھے عربی زبان کو مٹایا جاتا تھا اور عرب قبائل کو جو مدد سلطان عبد الحمید خان کی طرف سے ملتی تھی وہ بند کر دی گئی تھی۔ اس لئے عرب بد دل تو پہلے ہی سے ہو رہے تھے بعض شامی امراء اور شریف مکہ کے نمائندوں کے ساتھ تبادلہ خیالات کے بعد عرب لوگ اس شرط پر اتحادیوں کے ساتھ ملنے کے لئے تیار ہو گئے کہ کُل عرب کی ایک حکومت بنا کر عربوں کو پھر متحد کر دیا جائے گا۔ چونکہ شریف مکہ ہی اس وقت کھلے طور پر لڑ سکتے تھے اس لئے انہی کو امید دلائی گئی اور انہی کو امید پیدا بھی ہوئی کہ وہ سب عرب کے بادشاہ مقرر کر دیئے جائیں گے۔ اس معاہدہ کے بعد شریف حسن شریف مکہ نے اپنے آپ کو اتحادیوں سے ملا دیا۔ اور ترکوں کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ یہ جون ۱۹۱۶ء میں ہوا۔ جبکہ قطر پر مشہور انگریزی جنرل ٹاؤن شنڈ کو سب فوج سمیت ترکوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے تھے۔ اور جبکہ ترکی فوجیں غلبہ حاصل کر رہی تھیں۔ پس عربوں کا اس وقت اتحادیوں کی مدد کے لئے کھڑا ہونا بتاتا ہے کہ وہ نہایت سنجیدگی سے اپنی آزادی حاصل کرنے کے درپے تھے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بتاتا ہے کہ اتحادیوں کو ان کا مدد دینا انتہائی درجہ کی قربانی پر مشتمل تھا اور ان کا شکریہ اتحادیوں پر لازم۔

اس بغاوت کا نتیجہ یہ ہوا کہ گو اتحادیوں کو کچھ تو فائدہ پہنچ گیا مگر جو فوائد ان کو مد نظر تھے وہ نہ پہنچے۔ مسلمانوں کی عام ہمدردی ان کو حاصل نہ ہوئی بلکہ مسلمانوں کے دل اتحادیوں کے بغض

سے اور بھی بھر گئے- اور عربوں کو بھی انہوں نے بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا- شام اور عراق میں سوائے معدودے چند لوگوں اور قبیلوں کے اکثر حصہ آبادی کھلے طور پر کچھ نہ کر سکی مگر یہ ضرور ہوا کہ ترکوں کی توجہ بٹ گئی اور مصر پر حملہ کا خیال ان کو چھوڑنا پڑا- کیونکہ اس صورت میں ان کا عقب غیر محفوظ ہو گیا-

میرے نزدیک بغاوت بغاوت ہی ہے اور اس لحاظ سے میں ترکوں سے پوری ہمدردی رکھتا ہوں- اور شریف مکہ کے اس فعل کو نہایت بُرا اور قبیح خیال کرتا ہوں- مگر میں ساتھ ہی یہ خیال کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے منشاء کے مطابق یہ فعل ہوا- کیونکہ اس طرح مقامات مقدسہ اتحادیوں کی دست بُرد سے محفوظ ہو گئے- آخری دو سالوں میں اٹلی اس قدر تنگ آچکا تھا کہ جنگ کو جلد سے جلد ختم کرنا چاہتا تھا- اور کوئی تعجب نہیں کہ چونکہ اس کا افریقی علاقہ مسوا عرب کے ساحل کے مقابل پر ہے' وہ کچھ فوج جدہ میں اتار کر مقامات مقدسہ پر قبضہ کرنا چاہتا- اور اٹلی جس مقام تہذیب پر ہے اس کو سوچ کر جسم کے رونگٹے اس خیال سے کھڑے ہو جاتے ہیں- پس میں ہمیشہ یہ خیال کرتا ہوں کہ اس طرح عربوں کا اتحادیوں سے مل جانا مقامات مقدسہ کی حفاظت کا ایک ظاہری ذریعہ بن گیا اور خدا تعالیٰ کی تدابیر میں سے اسے ایک تدبیر سمجھنا چاہیئے- مجھے حیرت ہوتی ہے جبکہ میں ہندوستان کے لئے سَوَراج (حکومت خود اختیاری- مرتّب) کا مطالبہ کرنے والے اور حکومت بہ رضائے باشندگان کا اصل پکار پکار کر سنانے والے مسلمان لیڈروں کو دیکھتا ہوں کہ وہ عربوں کی اس بغاوت کے خلاف جوش دکھاتے ہیں- اگر ہندوستان کے باشندوں کا حق ہے کہ وہ اپنے ملک کی حکومت کا آپ فیصلہ کریں تو باشندگانِ عرب کا کیوں حق نہیں کہ وہ اپنے ملک کی حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کریں- ان کا عربوں کو گالیاں دینا ان کے دعویٰ اور ان کے عمل میں ایسا تضاد پیدا کرتا ہے کہ ہر عقلمند اس کو دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے-

غرض کہ جون ۱۹۱۶ء میں شریف نے ترکوں کے خلاف جنگ شروع کی- اور جنگ کے بعد شام کی حکومت امیر فیصل بن شریف حسن کو دے دی گئی- فلسطین اور عراق کے درمیان کا علاقہ عبداللہ بن شریف حسن کو اور حجاز کی حکومت خود شریف کے ہاتھ میں آئی- اس عرصہ میں فرانس نے شام کا مطالبہ کیا- اور انگریزوں نے وہ علاقہ اس کے سپرد کر دیا- چونکہ فرانس نہیں چاہتا تھا کہ شام آزادی حاصل کرے اور امیر فیصل کے ارادے اس وقت بہت بلند تھے وہ ایک متحدہ عرب حکومت کے خواب دیکھ رہے تھے- فرانس کے نمائندوں اور ان میں اختلاف ہوا- اور امیر فیصل

کو شام چھوڑنا پڑا۔ انگریزوں نے اس کو بدلہ میں ان کو عراق کا بادشاہ بنا دیا۔ سیاسی طور پر عرب کی آئندہ امیدوں پر یہ ایک بہت بڑا حربہ تھا۔ کیونکہ شام کی آزادی کا سوال بالکل پیچھے جا پڑا۔ اور شام کی شمولیت کے بغیر عرب کبھی متحد نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ شامی سب عرب میں سے سب سے زیادہ تعلیم یافتہ اور ترقی کرنے کی استعداد رکھتے ہیں۔ اور پھر ان کا ملک نہایت سرسبز بھی ہے۔ عراق سرسبز ہے مگر عراق سے انگریزوں کے فوائد ایسے وابستہ ہیں کہ یہ امید نہیں کی جا سکتی تھی اور نہ کی جاتی ہے کہ عراق کسی قریب زمانہ میں ایسا آزاد ہو جائے کہ عرب کو متحد کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ دوسرے عراقی تعلیم میں بہت پیچھے ہیں اور ان میں عرب کو متحد کرنے کی روح بھی موجود نہیں۔

اس تبدیلی کا ایک اور بھی اثر پڑا۔ امیر فیصل نے دیکھ لیا کہ عرب کو متحد کرنے کے ان کے ارادے خواب و خیال بن گئے۔ وہ انگریزوں کے ممنون احسان بھی ہو گئے کیونکہ جب وہ سب کچھ کھو چکے تھے۔ انگریزوں نے ان کو حکومت دے دی نہ اور کچھ نہیں تو نام کا بادشاہ ان کو بنا دیا۔ اس وجہ سے ان کی آزاد طبیعت واقعات کی غلام بن گئی۔ اور وہ ہمت و جوش جو انہوں نے پہلے چند سالوں میں دکھایا تھا اب ایک مایوسانہ تسلی سے بدل گیا۔

جہاں اس تبدیلی کا یہ اثر پڑا کہ شریف حسن کے سب سے ہوشیار اور ذکی فرزند امیر فیصل کو اپنی آئندہ امیدوں کو خیرباد کہہ کر ایک شام کی بادشاہت پر قناعت کرنی پڑی۔ وہاں اس کا ایک اور بھی اُلٹا اثر ہوا۔ اور وہ یہ تھا کہ امیر نجد ابن سعود کے غضب کی آگ امیر فیصل کے امیر عراق ہونے پر بھڑک اٹھی۔ امیر نجد جیسا کہ آگے بیان ہو گا شریف مکہ کے خاندانی دشمن تھے۔ اور ان کی دشمنی کئی نسل پرانی دشمنی تھی۔ جب عرب کے شریف کے خاندان کے نیچے متحد کر دینے کا سوال اٹھتا تھا تو طبعًا ان کو بُرا لگتا تھا۔ کیونکہ اس کے یہ معنی تھے کہ نہ صرف ان کا دشمن خاندان اس قدر اقتدار دیا جائے بلکہ وہ ان کے علاقہ پر بھی قبضہ کر لے اور ان کو اس کے ماتحت ہو کر رہنا پڑے۔ پس جب انہوں نے دیکھا کہ امیر فیصل کو شام سے جواب مل گیا ہے تو ان کو بہت خوشی ہوئی۔ اور جب انہوں نے دیکھا کہ دُوَلِ مُتّحدہ نے خلاف وعدہ عرب کو مختلف ریاستوں میں تقسیم کر دیا اور پاک حکومت میں جمع کرنے کی نہ خود کوشش کی اور نہ عربوں کو اس کے لئے کوشش کرنے کی اجازت دی وہ طبعًا خوش ہوئے اور انہوں نے مزید اطمینان کے لئے انگریزوں سے ایک معاہدہ کر لیا۔ بظاہر تو معاہدہ یہ تھا کہ وہ حجاز کے علاوہ پر حملہ نہ کریں گے مگر اس کا لازمی مفہوم

یہ بھی تھا کہ ان کے علاقہ پر بھی انگریز یا اور کوئی عرب حکومت حملہ نہیں کرسکے گی۔ گورنمنٹ کی طرف سے کئی لاکھ روپیہ سالانہ ان کو اس معاہدہ کے بدلہ میں ملتا بھی تھا۔ جو بحرین کی انگریزی قنصل کے ذریعہ سے ان کو دیا جاتا تھا اور اسی قنصل کے ذریعہ سے ان سے مراسم دوستانہ طے کئے جاتے تھے۔

غرض شریفی خاندان کے کمزور ہونے پر ابن سعود خوش تھے کہ امیر فیصل عراق کے بادشاہ مقرر ہوں گے۔ امیر ابن سعود جانتے تھے کہ سردست عراق انگریزوں کے تصرف میں ہے اور نہایت ضرور حالت میں ہے۔ اس میں نجد پر حملہ کرنے کی طاقت نہیں۔ لیکن ان کو یہ بھی نظر آتا تھا کہ کسی نہ کسی دن عراق طاقتور ہو جائے گا۔ انگریزوں کی تربیت میں وہاں کے باشندے جنگی فنون سیکھ جائیں گے اور مالدار بھی ہو جائیں گے۔ اس وقت عراق اور حجاز اگر مل کر اس پر حملہ کردیں تو چونکہ نجد کا علاقہ عراق اور حجاز کے درمیان میں ہے' امیر نجد کو اپنی حفاظت نہایت مشکل ہو جائے گی۔ مگر وہ اس وقت کچھ نہیں کرسکتے تھے۔ وہ عراق پر حملہ نہیں کرسکتے تھے کیونکہ عراق پر حملہ انگریزوں پر حملہ تھا۔ جس کی ان میں تاب نہ تھی۔ وہ حجاز پر بھی حملہ نہیں کرسکتے تھے۔ کیونکہ وہ انگریزوں سے اسی غرض سے روپیہ لے رہے تھے کہ وہ حجاز پر حملہ نہ کریں گے۔ مگر وہ ہوشیار آدمی تھے اگر وہ عراق اور حجاز پر حملہ نہیں کرسکتے تھے تو کم سے کم اس کے لئے تیاری کرسکتے تھے۔ چنانچہ اس عرصہ میں انہوں نے خوب تیاری شروع کردی اور ایک لشکر جرّار تیار کرتے رہے مگر امیر حجاز انگریزوں کی مدد کے بھروسہ پر بالکل مطمئن رہے۔

(الفضل ۹ جون ۱۹۲۵ء)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ھُوَالنَّاصِرُ

حج بیت اللہ اور فتنہ حجاز

(تحریر فرمودہ جون ۱۹۲۵ء)

(۳)

شریف مکہ اور انگریزوں کے تعلقات

اس عرصہ میں بعض نئے امور پیدا ہونے شروع ہوئے۔ انگریزی نمائندہ مصر نے شریف مکہ سے وعدہ کیا تھا کہ عرب کو آزاد ہونے کے بعد ایک حکومت بنا دیا جائے گا۔ وہ اس وعدہ کے پورا کرنے پر زور دیتے تھے۔ اور ہر عرب تین طاقتوں کے اثر کے نیچے تقسیم ہو چکا تھا۔ شام پر فرانس کا قبضہ تھا (اصلی عرب میں شام وغیرہ شامل نہیں لیکن موجودہ زمانہ میں چونکہ عراق' فلسطین اور شام میں عرب ہی زیادہ تر آباد ہیں اور بولی بھی عربی ہے۔ اس لئے اس سب علاقہ کو عرب ہی کہا جاتا ہے) عراق اور فلسطین انگریزوں کے تصرف کے نیچے تھے۔ نجد ایک آزاد امیر ابن سعود کے ماتحت تھا۔ اگر انگریز چاہتے بھی تو ایسا نہ کر سکتے تھے۔ شریف کو غصہ تھا کہ مجھ سے وعدہ خلافی کی گئی ہے۔ انگریزوں کو شکوہ تھا کہ جب تم اپنے علاقہ کے سنبھالنے کی بھی طاقت نہیں رکھتے تو سارے عرب کو اپنے ماتحت لانے کے لئے کس طرح خواہشمند ہو۔ شریف مکہ کو بھی انگریزوں کی طرف سے ایک معقول مدد ملتی تھی۔ انگریز چاہتے تھے کہ وہ اس مدد کے بدلے میں انگریزوں سے اور بھی رعایت کریں۔ ادھر عالم اسلامی کا یہ حال تھا کہ وہ شریف مکہ کے سخت خلاف ہو رہا تھا کہ یہ انگریزوں کی طرف کیوں مائل ہیں۔ شریف نے جب دیکھا کہ ادھر انگریز ان کی اس خواہش کو پورا کرنے سے گریز کر رہے ہیں کہ عرب کو ایک حکومت کر دیا جائے بلکہ اُلٹا اس روپیہ کے بدلے جو ان کو دیا جاتا ہے بعض ایسے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں کہ جو ان کی آزادی

کو تباہ کر دے گا- اور ادھر عالم اسلام ان کے اس رویہ کے خلاف ہے تو چونکہ ان کی دیرینہ خواب پوری ہوتی نظر نہ آتی تھی انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ انگریزوں کو ناراض کریں گے اور عالم اسلامی کو خوش- اور وہ یہ امید رکھتے تھے کہ ان کے اس رویہ سے مسلمانوں کی ہمدردی ان کے ساتھ ہو جائے گی- یہ فیصلہ کر کے انہوں نے انگریزی معاہدہ پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا- نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو انگریزوں سے مدد ملنی بند ہو گئی- انگریز حجاز کے بچانے کے لئے جو رقم ابن سعود کو دیتے تھے اس کو انہوں نے بند کر دیا-

شریف مکہ پر ابن سعود کا حملہ

امیر ابن سعود نے یہ دیکھ کر کہ اس سے عمدہ موقع کوئی نہ ملے گا' حجاز سے ایک علاقہ کا مطالبہ کیا- شریف حسین نے اس علاقہ کے دینے سے انکار کیا اور وہ جنگ شروع ہو گئی جو اَب شروع ہے- امیر ابن سعود نے چاہا تھا کہ وہ ساتھ ہی یُردن پار کے علاقہ پر جس کے امیر شریف کے لڑکے امیر عبداللہ مقرر ہیں' حملہ کر دیں مگر چونکہ اسے انگریزوں نے اپنی حفاظت میں رکھا ہوا ہے تاکہ عراق اور فلسطین کے درمیان کا راستہ کھلا رہے اس لئے اس میں تو ان کو کامیابی نہ ہو سکی مگر حجاز سے باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی- شریف حسین کو امید تھی کہ جنگ کے شروع ہونے پر انگریز پُرانے تعلقات کی بناء پر ان کی مدد کریں گے مگر یہ امید بر نہ آئی- انگیرزوں نے صاف کہہ دیا کہ جب تک وہ معادہ پر دستخط نہ کریں گے' اس وقت تک ان کی مدد نہ کی جائے گی- مسلمانوں نے ان کی ہمدردی نہ کی اور سمجھا کہ اب ان کو ترکوں سے بغاوت کرنے کی سزا ملنے لگی ہے- بیٹوں کی طرف سے بھی مدد نہ ملی جو موجودہ حالات میں ان کو انگریزی حکومت سے معاہدہ کر لینے کا مشورہ دیتے تھے- صرف ان کی اپنی طاقت باقی رہ گئی اور وہ امیر نجد کے مقابلہ پر کچھ حیثیت نہ رکھتی تھی- جس کی وجوہ یہ تھیں

(۱) انہوں نے حکومت کو باقاعدہ بنانے کے خیال سے مغربی حکومتوں کی طرح تمام محکمہ جات جاری کر دیئے تھے ملک کی آمد کم ہے نتیجہ یہ ہوا کہ ٹیکس بڑھانے پڑے اور بدو امیر جو سرکاری امداد کے ہمیشہ سے امیدوار رہے ہیں' ان سے ناراض ہو گئے-

(۲) دوسرے ملکوں کی ہمدردی کے حصول کی غرض سے انہوں نے بدوؤں کو ڈاکہ سے روکنا شروع کیا اور اگر وہ ڈاکہ ڈالتے تو ان کو سزا دیتے- اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بدو اور بھی ان سے ناراض ہو گئے-

(۳) بدوؤں کی آمدن کے خیال سے انہوں نے اونٹوں وغیرہ کے کرائے زیادہ مقرر کئے- اس سے باہر کے لوگ بھی ناراض ہو گئے اور بدو الگ ناراض تھے-

(۴) جب انگریزی مدد بند ہوئی تو انہوں نے مالیہ کو پورا کرنے کے لئے حاجیوں سے بہت زیادہ ٹیکس وصول کرنے شروع کئے جس سے بے اطمینانی اور بڑھی- نتیجہ یہ ہوا کہ نہ اہل مکہ نہ اہل بادیہ اور نہ دوسرے ملکوں کو ان سے ہمدردی رہی- اگر وہ اخراجات کم رکھتے اور بدوؤں کو فوجی کام میں مشغول رکھتے اور ان کی مالی امداد کرتے رہتے اور آخری سالوں میں حاجیوں کو تکلیف نہ دیتے بلکہ آمد کے بڑھانے کے اور ذرائع تلاش کرتے تو ان کی طاقت اس قدر کمزور نہ ہوتی- خلاصہ یہ کہ جب جنگ شروع ہوئی تو اپنے لوگ بے دلی سے کام کرتے تھے- دشمن تجربہ کار تھا- بیرونی مدد تھی نہیں' ان کی فوج کو شکست پر شکست ہونے لگی اور آخر طائف بھی امیر نجد نے لے لیا- جب مکہ پر چڑھائی ہوئی تو شریف حسین جن کو یہ ڈر تھا کہ شاید شہر کے لوگ بھی ان کے خلاف کھڑے ہو جاویں اور ان کے لئے بھاگنے کا بھی رستہ نہ رہے' خلافت سے دست بردار ہو گئے- اور ان کے بڑے لڑکے شریف علی نے ان کی جگہ عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی- شریف علی چونکہ فوجی امور کا تجربہ اپنے والد سے بہت زیادہ رکھتے تھے انہوں نے فوراً فوج کو ترتیب دے کر جدہ کو اپنا صدر مقام قائم کیا- اور بجائے کُھلے میدان میں جنگ کرنے کے ساحل سمندر کے پاس کے شہروں میں محصور ہو گئے- اور اس طرح ایک سال کے قریب سے وہ اپنی حفاظت کرتے چلے آتے ہیں-

یہ تو فوجی حالات ہیں- اب میں اس کشمکش کے جو سیاسی یا تمدنی یا علمی اثرات عرب پر پڑ رہے ہیں یا پڑ سکتے ہیں ان کو بیان کرتا ہوں- مگر پیشتر اس کے کہ میں ان اثرات کو بیان کروں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ امیر ابن سعود کے خاندان کے کچھ تاریخی حالات بھی بیان کروں کیونکہ ان کے بغیر اس حرکت کی حقیقی اہمیت سمجھ میں نہیں آسکتی

خاندان امیر ابن سعود کے تاریخی حالات

۱۱۱۵ھ مطابق ۱۶۹۱ء کو ایک بچہ نجد کے شہر عیانہ میں پیدا ہوا- جس کا نام محمد رکھا گیا- خدا تعالیٰ نے اس بچہ کی قسمت میں عرب کے اندر سینکڑوں سال کی موت کے بعد ہیجان پیدا کرنے کا کام مقرر فرمایا تھا- یہ زمانہ وہ تھا کہ اسلام پر شرک کی گھٹائیں چھا رہی تھیں اور رسوم اور بدعات کا کوئی ٹھکانا نہ رہا تھا- خدا تعالیٰ کی غیرت بھڑک رہی تھی اور تمام اسلامی ممالک میں اسلامی محبت سے پُر دل' فکر و اندوہ کا شکار ہو رہے تھے تب خدا تعالیٰ کی غیرت نے مختلف ممالک میں مختلف لوگ مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لئے پیدا کئے- ہندوستان میں شاہ ولی اللہ صاحب پیدا ہوئے- عرب میں خدا تعالیٰ نے محمد بن عبدالوہاب کو چُنا- آپ اپنی جوانی کی عمر میں ہی علم کے شوق

میں اپنے وطن کو چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے- اور پہلے عراق کے شہروں میں تعلیم پاتے رہے' بعد میں دمشق اور مدینہ منورہ میں تکمیل تعلیم کے لئے چلے گئے- وہاں انہوں نے اس وقت کے مشہور علماء سے باقاعدہ تعلیم حاصل کی اور اپنے وطن نجد کو واپس آئے- نجد کی مذہبی حالت اس وقت ناگفتہ بہ تھی- لوگ دین سے بالکل بے بہرہ تھے- شرک اس قدر عام تھا کہ پتھروں کی پوجا تک شروع ہو گئی تھی انہوں نے وطن پہنچتے ہی توحید کا وعظ کہنا شروع کر دیا- اور اپنی زندگی کو بدعات اور رسوم کے مٹانے کے لئے وقف کر دیا- جیسا کہ قاعدہ ہے ان کی مخالفت ہوئی مگر اللہ تعالیٰ نے محمد ابن سعود کو جو دراعید کے رئیس تھے- ان کی تعلیم کے قبول کرنے کے لئے شرح صدر دے دیا- انہوں نے اس طریق کو قبول کرتے ہی اس کی اشاعت پر اس جوش سے زور دینا شروع کیا کہ تھوڑے ہی دنوں میں محمد بن عبد الوہاب کا طریقہ اس علاقہ میں پھیل گیا- نئے طریق کے جوش سے بھرپور ہو کر محمد بن سعود نے پاس پاس کے علاقوں پر حملے کرنے شروع کئے- اور جبراً لوگوں سے رسوم و بدعات چُھڑوانے لگے حتیٰ کہ ان کی وفات سے جو ۱۷۶۲ء میں ہوئی پہلے ہی تمام مشرقی نجد اور رحاء میں محمد بن عبد الوہاب کا طریق پھیل گیا-

وہابیوں پر حملے ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے عبد العزیز بن محمد بن سعود نے نجد سے بھی پرے تک اس طریق کو رائج کیا حتیٰ کہ ۱۷۹۸ء میں ترکوں کو مجبور ہو کر اس پر چڑھائی کرنی پڑی- مگر اس ترکی فوج کو زِک ہوئی اور وہابی طاقت کو اور بھی شہرت حاصل ہو گئی- عبد العزیز کے بیٹے سعود نے عراق کے ایک حصہ پر بھی قبضہ کر لیا- کربلا کو لوٹ کر مقابر کو برباد کیا- مکہ مکرمہ کو بھی فتح کر لیا- آخر امیر عبد العزیز ایک شیعہ کے ہاتھ سے مارے گئے- اور سعود بن سعود بادشاہ ہوئے- ان کے زمانہ میں مدینہ منورہ بھی فتح ہو گیا- چونکہ وہابی فوجوں نے مزار مبارک میں جن قدر قیمتی چیزیں تھیں ان کو لوٹ لیا تھا- اور بعض عمارتوں کو توڑ دیا تھا- (یہ لوگ پختہ قبر کے قائل نہیں) اس وجہ سے سب عالم اسلامی میں جوش پیدا ہوا مگر چونکہ خود ترکوں میں اس وقت طاقت نہ تھی' مصر کی بڑھتی ہوئی حکومت کو ان کی سرکوبی مقرر کی گئی- اور انہوں نے ترکی حکومت کی ہدایت کے ماتحت دس ہزار فوج سمیت طوسون پاشا جو محمد علی پاشا خدیو مصر کا لڑکا تھا حجاز پر حملہ آور ہوا- اول اول تو مصری فوجوں کو شکست ہوئی مگر آخر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ وہابیوں سے چھین لئے گئے- (محمد بن عبد الوہاب کے پیروؤں کا نام آہستہ آہستہ وہابی پڑ گیا- اس لئے میں نے وہی نام لکھا ہے- ورنہ یہ لوگ اس نام کو استعمال نہیں کرتے) مگر اس سے زیادہ

مصری لشکر کچھ نہ کر سکا- اور آخر ۱۸۱۳ء میں خود محمد علی پاشا اس مہم کو سر کرنے کے لئے آئے- پھر بھی کچھ نہ ہوا- بلکہ ۱۸۱۴ء میں طوسون پاشا کو طائف پر پھر سخت شکست ہوئی- مگر اسی سال سعود بن سعود فوت ہو گئے- ان کے بیٹے عبد اللہ نے مصریوں سے صلح کرنی چاہی مگر محمد علی پاشا نے انکار کر دیا اور نجد پر حملہ کر کے وہابی فوجوں کو شکست دی- اور عبد اللہ بن سعود کو صلح پر مجبور کیا- مگر مصری فوجوں کی واپسی پر عبد اللہ نے معاہدہ کی پابندی سے انکار کر دیا- اس وقت طوسون پاشا کی جگہ ابراہیم پاشا کمانڈر مقرر ہو چکے تھے- انہوں نے بدوی قبائل کو پھاڑ کر اپنے ساتھ ملا لیا- اور پھر عبد اللہ بن سعود کو شکست دی- اور نجد کے کئی شہروں کو فتح کرنے کے بعد ۱۸۱۸ء میں داریہ کو جو نجد کا دار الخلافہ تھا فتح کر لیا- عبد اللہ اپنے چار سو ہمرائیوں سمیت قید ہوئے- اور ان کو قسطنطنیہ بھیج دیا گیا- جہاں کہ باوجود ابراہیم پاشا کی سفارش کے ان کو قتل کر دیا گیا- دار الامارۃ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی اور نجد کے تمام شہروں میں مصری فوجیں رکھی گئیں- تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ترکی جو عبد اللہ کے بیٹے تھے- انہوں نے بغاوت کر کے پھر اپنی حکومت قائم کی مگر خراج مصر کو ادا کرتے رہے- ان کے بیٹے فیصل بن سعود نے چونکہ خراج دینے سے انکار کر دیا اس لئے ان پر پھر چڑھائی ہوئی- اور ان کو قید کر کے قاہرہ پہنچا دیا گیا- اور ان کی جگہ ان کے ایک رشتہ دار خالد کو ریاض میں جو اَب نجد کا دَارُالْاَمَارَۃ ہو گیا تھا حاکم قرر کر دیا گیا- ۱۸۴۲ء میں فیصل بن سعود قاہرہ سے بھاگ کر پھر نجد پہنچے اور ملک نے ان کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا- بظاہر وہابی طاقت پھر قائم ہو گئی مگر عمان، یمن اور بحرین پر وہابی تسلط نہ کر سکے-

عبد اللہ بن رشید اسی زمانہ میں جبل شمر میں ایک نئی طاقت بڑھنے لگی- یہ طاقت عبد اللہ بن رشید کی تھی- ۱۸۳۶ء میں جب فیصل بن سعود کو مصریوں نے قید کر کے قاہرہ بھیج دیا تو اس عرصہ میں عبد اللہ بن رشید نے اپنی حکومت کو شمال مغربی علاقہ میں مضبوط کرنا شروع کیا- اس کے بعد اس کے بیٹے طلال نے اور بھی اس ریاست کو مضبوط کیا- کنویں لگوائے، باغات لگائے، قلعے بنوائے، سکول جاری کئے اور ملک کی وسعت کو بڑھانا شروع کیا حتیٰ کہ خیبر، تیما اور جوف کے علاقے بھی جبل (دار الامارۃ ابن رشید) کے ماتحت ہو گئے- مگر وہابیوں سے جنگ سے بچنے کے لئے ابن رشید کی حکومت نے ان سے تعلق کو قائم رکھا- اور کسی طرح ان کو ناراض نہ ہونے دیا- اور اس طرح اپنی طاقت کو بڑھایا- مگر بالمقابل ابن سعود کی حکومت کمزور ہوتی چلی گئی اور مشرقی قبائل آزاد ہوتے گئے- یہاں تک کہ ۱۸۶۷ء میں ترکوں نے نجد کو اپنی

حکومت سے ملالیا اور نجد کو ترکی حکومت کا ایک صوبہ قرار دیا۔

۱۸۹۱ء میں حکومت ابن سعود نے یہ دیکھ کر کہ ابن رشید کی طاقت بہت بڑھ گئی ہے، مشرقی ریاستوں سے سمجھوتہ کر کے ایک مشترکہ حملہ اس پر کیا۔ مگر سب نے شکست کھائی اور محمد ابن رشید اس وقت کا امیر سب نجد کا بادشاہ ہو گیا۔ اور اس طرح ترکوں کی حکومت نجد پر اور بھی مضبوط ہو گئی۔ کیونکہ ترک ابن رشید کے ساتھ اور ابن سعود کے مخالف تھے۔ ۱۹۰۴ء تک برابر ابن رشید کا غلبہ رہا۔ مگر ۱۹۰۴ء میں شیخِ کویت جو انگریزی حکومت کے ماتحت تھا اس نے ابن سعود اور بعض اور قبائل سے مل کر ابن رشید پر حملہ کیا اور اس کو شکست دیتے دیتے اس کے دارالامارۃ تک لے گئے۔ ترکوں نے ابنِ رشید کی مدد کے لئے فوج بھیجی جو بغیر جنگ کئے صلح کر کے واپس لوٹ گئی۔ مگر اس دن سے وہابی طاقت پھر بڑھنے لگی۔ حتیٰ کہ جنگ عظیم کے زمانہ میں ان کی طاقت بہت ہی ترقی کر گئی۔

ابن سعود اور شریف مکہ کی حالت

مندرجہ بالا حالات سے یہ امور بخوبی روشن ہو جاتے ہیں کہ (۱) موجودہ جنگِ حجاز کوئی نئی جنگ نہیں بلکہ یہ ایک ڈیڑھ سو سالہ پرانا قصہ ہے۔ اور سُنّیوں وہابیوں کی جنگ ہے۔ پچھلے ڈیڑھ سو سال میں قریباً بغیر وقفے کے وہابیوں نے سب عرب پر قبضہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر سُنّیوں نے ان کا مقابلہ کیا ہے۔ کبھی عرب قبائل ان کی طرف سے لڑے ہیں کبھی مصری کبھی ترک۔ (۲) دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ابن سعود کی حکومت ہمیشہ ہی پچھلے ڈیڑھ سو سال میں ترکوں کے مخالف رہی ہے اور ان سے جنگ کرتی رہی ہے۔ (۳) تیسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ابن سعود اسی جُرم کے مرتکب ہیں جس کے مرتکب شریف مکہ ہوئے ہیں۔ یعنی وہ بھی غیر مسلم حکومتوں کی مدد سے ترکوں سے لڑ چکے ہیں بلکہ پچھلے چند سال تک بھی وہ انگریزوں سے روپیہ لیتے رہے ہیں۔

سُنّیوں کا تشدد وہابیوں پر

اس تاریخ کو بیان کرنے کے بعد اب میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ اس جنگ کا اثر سیاسی اور مذہبی طور پر عرب پر کیا پڑے گا۔ پہلے تو میں سیاسی اثر کو لیتا ہوں جیسا کہ اوپر کے واقعات سے ظاہر ہے۔ یہ جنگ سُنّی وہابی کا جھگڑا ہے۔ سُنّی ہمیشہ اپنی کثرت کے گھمنڈ پر مقامات مقدسہ کے قبضہ کے دعویٰ کرتے رہے ہیں۔ اور وہابی اس امر کے مدعی رہے ہیں کہ تم لوگوں نے ان مقامات کو نجس کر دیا ہے اس لئے تمہارا ان پر کوئی حق نہیں۔ ترکی حکومت کے زمانہ میں بھی وہابیوں کو مکہ میں آزادی نہ تھی۔ جب میں

۱۹۱۲ء میں حج کے لئے گیا ہوں اس وقت ترکی حکومت تھی میں بعض وہابیوں سے ملا تھا وہ لوگ سخت تنگ تھے اپنے عقیدہ کا اظہار تک نہیں کر سکتے تھے۔ ایک بڑے عالم نے جو سب مکہ میں عالم مشہور تھا بتایا کہ وہ دراصل وہابی ہے مگر ظاہر اپنے آپ کو حنبلی کرتا ہے کیونکہ دفعہ اسے وہابیت کے الزام میں قید کر دیا گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ سب وہابی اپنے آپ کو اس زمانہ میں حنبلی کہتے تھے کیونکہ حنبلیوں کی فقہ اہل حدیث سے قریب ترین ہے اور اس وجہ سے وہ اس نام کے نیچے اپنے آپ کو چھپا سکتے ہیں۔ وہ لوگ الگ الگ نماز پڑھ لیتے تھے جماعت کرانے کی اجازت نہ تھی۔ دوسروں کے پیچھے نماز پڑھنے کو ناپسند کرتے تھے۔ جماعت کے وقت اِدھر اُدھر ہو جاتے جب لوگ نماز پڑھ لیتے تو وہ اکیلے اکیلے خانہ کعبہ میں نماز پڑھ لیتے یا گھروں پر پڑھ لیتے۔ اگر کسی کی نسبت شبہ ہو جائے کہ وہ وہابی ہے تو اس کی جان کی خیر نہ ہوتی تھی کیونکہ حکومت تو بعد میں دخل دیتی عوام الناس ہی اس کو اپنے قدموں میں روند ڈالتے۔ میں نے دیکھا کہ یہ لوگ سُنّی علماء کی نسبت زیادہ عالم اور زیادہ ہوشیار تھے اور اچھے بارسوخ تھے۔ شریف حسین کے لڑکوں کے اتالیق جو ایک نہایت ہی سمجھدار اور لائق آدمی تھے اور احمدیت کے بہت ہی قریب تھے گو انہوں نے اظہار نہیں کیا مگر میں سمجھتا ہوں وہ بھی وہابی تھے کیونکہ ان کو قریباً سب مسائل میں وہابیوں سے اتفاق تھا۔ خود کہتے تھے کہ مکہ میں انسان اپنے عقیدہ کو ظاہر کر کے نہیں رہ سکتا۔ ان صاحب کو میں نے سب مکہ کے علماء میں سے زیادہ سمجھدار اور وسیع الحوصلہ دیکھا۔ مجھے نصیحت کرنے لگے کہ میرے جیسے لوگوں کو آپ احمدیت کی تبلیغ کریں دوسرے علماء کے پاس نہ جاویں ورنہ فساد ہو جاوے گا۔ میں نے کہا اگر حق سنانے میں کوئی نقصان پہنچتا ہے تو کچھ ڈر نہیں، بہت متأثر ہوئے اور کہا ایمان کی علامت تو یہی ہے۔

لفظ وہابی بطور گالی

غرض ترکی حکومت میں بھی وہابیوں کو مکہ میں آزادی نہ تھی وہابی کا لفظ بطور گالی کے مکہ میں استعمال ہوتا تھا بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ کسی کو کُتّا کہہ دینے سے وہ اس قدر بُرا نہ مناتا ہوگا جس قدر کہ وہابی کہہ دینے سے۔ جب شریف حسین نے آزادی اختیار کی تو ان کے زمانہ میں بھی سنا ہے کہ یہ ظلم برقرار رہا بلکہ ابن سعود نے حج کی اجازت اپنی قوم کے لئے طلب بھی کی تو ان کو اجازت نہ دی گئی۔ اور کیا تعجب ہے کہ شریفی خاندان کی موجودہ تباہی اسی ظلم کے سبب سے ہو۔

اہل حجاز اور وہابیوں کے تعلقات

مذکورہ بالا واقعات سے ظاہر ہے کہ سُنّی حلقہ میں وہابیوں کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور چونکہ عرب کا بیشتر حصہ اب تک سُنّی ہی ہے اس لئے زیادہ حصہ عربوں کا نجدیوں کے مخالف ہے۔ چونکہ وہابی لوگ ہمیشہ سے سخت گیر رہے اور جبراً اپنے مسائل پر عمل کرواتے ہیں اس لئے کسی کو یہ طاقت تو نہیں کہ ان کے ماتحت رہ کر ان کی مخالفت کرے مگر اہل مکہ اور سب اہل حجاز کے دل کبھی ان کی طرف مائل نہیں ہو سکتے کیونکہ اہل مکہ اور ارد گرد کے قبائل کے خون اور پوست جن رسومات کی آمد سے بنے ہوئے ہیں وہابی اس کے مخالف ہیں۔ اگر وہابیوں کی حکومت کچھ عرصہ تک رہے تو اہل مکہ کا بیشتر حصہ بھوکا مرنے لگے۔ پس حجاز کی نسبت یہ امید کرنا کہ وہ دل سے وہابیوں کا ساتھ دے ناممکنات کی امید کرنا ہے۔ اہل مدینہ کا بھی وہی حال ہے جو اہل مکہ کا۔ ان کے گوشت پوست میں بھی حُبِّ رسول بھری ہوئی ہے وہ کیسے ہی مجرم ہوں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار کا ادب ان کے رگ و ریشہ میں پُر ہے۔ وہ مرجاویں گے مگر کبھی منظور نہ کریں گے کہ آپ کا مزار معمولی صورت میں رکھا جاوے خواہ وہ تلوار کے ڈر سے سر جھکا دیں مگر وہ کبھی اس طریق کو دل سے قبول نہ کریں گے۔ فلسطین کے عربوں کا بھی یہی حال ہے۔ وہ بھی مجاور ہیں اور مقابر کے محافظ اور ان کی ہمدردی وہابیوں سے کبھی نہیں ہو سکتی۔ اہل شام وہابیوں کے سخت مخالف ہیں اور شریف حسین اور اس کے خاندان کے دلدادہ۔ چونکہ وہ اور فلسطین کے باشندے فرانس کی حفاظت میں ہیں وہابیوں کا ان پر کوئی زور نہیں اور اس وجہ سے ان کا اپنے حالات کو ظاہر میں بدلنا بھی بعید از قیاس ہے۔ عراق کے لوگ تو مشہور مجاور ہیں۔ عراق کا گاؤں گاؤں زیارتوں سے بھرا ہوا ہے اس کے حاکم بھی شریف فیصل' شریف حسین کے لڑکے ہیں اس سے بھی امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ کبھی وہابیوں کی تائید کرے۔ یمنی لوگ شریف حسین کے مخالف ہیں گو مذہباً وہابیوں کے مخالف ہیں مگر سیاستاً کوئی تعجب نہیں کہ ابن سعود کا ساتھ دیں مگر ان میں بھی دو ٹکڑے ہیں ایک ٹکڑا اگر ابن سعود کے ساتھ ہوگا تو دوسرا ضرور ان کی مخالفت کرے گا۔

موجودہ جنگ کا سیاسی اثر عرب پر

ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے بظاہر حال معلوم ہوتا ہے کہ

(۱) اگر ابن سعود شریف حسین کو شکست بھی دے دیں تو حجاز پر دیر تک ان کا قابض رہنا مشکل ہوگا

(۲) اگر وہ حجاز پر قابض بھی ہو جاویں تو آئندہ کے لئے اس امید کو بالکل قطع کر دینا ہو گا کہ عرب کبھی ایک حکومت بن کر اپنی آپ حفاظت کر سکے کیونکہ اس صورت میں دوسرے عرب صوبے نجد و حجاز سے متحد ہو نا تو الگ رہا اس کے ساتھ امن سے رہنا بھی پسند نہیں کریں گے۔ اور چونکہ گو اِس وقت وہ کمزور ہیں مگر اصل میں ان کی متحدہ طاقت زیادہ ہے اس لئے ہمیشہ عرب میں فساد کا دروازہ کھلا رہے گا۔

دوسری مشکل یہ پیش آتی ہے کہ عرب کی آئندہ ترقی کے لئے یہ ضروری ہے کہ شامی جو زیادہ تعلیم یافتہ اور سمجھدار ہیں اس کے انتظامی صیغہ میں زیادہ حصہ دار ہوں کیونکہ یہ وہ زمانہ ہے کہ اس میں خالی تلوار کام نہیں دیتی بلکہ علم اور علم کی ترقی کام دیتی ہے۔ وہابیوں کی حکومت میں یہ بات ناممکن ہے۔

تیسری یہ مشکل ہے کہ عرب پر مشرقی علاقہ سے حکومت کرنا بالکل ناممکن ہے۔ جب سے عرب کی تاریخ کا پتہ چلتا ہے ہمیشہ اس پر حکومت مغربی یا شمال مغربی یا جنوب مغربی علاقہ سے ہوتی رہی ہے اور یہ بات اتفاقی نہیں بلکہ اس کی طبعی وجوہ ہیں۔ پس اگر وہابی حکومت ریاض میں رہی تو حجاز بالکل کمزور ہو جائے گا اور ممکن ہے دوسری حکومتوں کے قبضہ میں چلا جاوے جو اسلام کے لئے ماتم کا دن ہو گا۔ لیکن اس کا ریاض سے بدل کر مکہ میں یا مدینہ میں لانا وہابی مفاد کے مخالف ہو گا کیونکہ اس طرح امیر اپنے اس ذخیرہ سے دور ہو جاوے گا جہاں سے وہ اپنی فوجی طاقت کو مضبوط کرتا تھا بلکہ اس واحد مرکز سے محروم ہو جاوے گا جس پر وہ اعتماد کر سکتا ہے۔

عرب کس طرح متحد ہو سکتا ہے

پس حالات موجودہ میں وہابیوں کا حجاز پر قبضہ کر لینا گو عارضی طور پر کچھ مفید ہو مگر انجام کار عرب اور پھر سارے عالم اسلامی کے لئے مُضِرّ ہو گا بلکہ خود وہابی طاقت کو بھی نقصان پہنچے گا۔ عربوں کے متحد ہونے کا خیال ایک وہم ہو جائے گا اور عرب کبھی بھی ایک منظم حکومت کی شکل میں نہ آسکے گا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ شریف حسین کے خاندان کی موجودگی میں بھی گو دقتیں ہیں لیکن اگر شریف آئندہ کو اپنی اصلاح کر لیں، ترکوں سے اپنے تعلقات درست کر لیں، وہابیوں پر ظلم چھوڑ دیں بلکہ ان کو کامل مذہبی آزادی دیں، عالم اسلام کی ہمدردی کو حاصل کریں اور عالم اسلام بھی ان سے جاہلانہ مطالبات نہ کرے تو ان کے ہاتھ پر عرب کا جمع ہو جانا نسبتاً بہت آسان ہو گا۔ مگر بہر حال مشکلات دونوں امور میں زیادہ ہیں البتہ میرے نزدیک شریف خاندان کے بر سر اقتدار

رہنے کی صورت میں کم ہیں۔

وہابیت اور احمدیت

اب میں اس سوال کا مذہبی پہلو لیتا ہوں۔ مذہبی پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے اس میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا کہ وہابیوں کی حکومت میں گو بعض امور میں ضرورت سے زیادہ سختی بھی ہوگی مگر پھر بھی نجدی لوگ مذہب کے زیادہ پکے ہیں' نمازوں کے پابند ہیں' شرک سے حتی المقدور بچتے ہیں اور ہمارا پچھلا تجربہ بتاتا ہے کہ احمدیت میں جس قدر جلد وہابی داخل ہوتے ہیں اس قدر جلد کوئی دوسرا فرقہ مسلمانوں کا داخل نہیں ہوتا۔ پس جماعت احمدیہ کے فوائد کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ حجاز پر وہابیوں کی حکومت ہمارے لئے گو مشکلات بھی پیدا کرے گی کیونکہ وہابی مخالفت بھی احمدیت کی بہت کرتے ہیں مگر انجام کار اِنْشَاءَ اللّٰہُ ہمارے سلسلہ کے لئے مفید ہوگی اور تمام امور کو مدنظر رکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ اگر کم سے کم کچھ عرصہ کے لئے وہابی حجاز پر حکومت کریں تو وہ ایک ایسا اثر ضرور وہاں چھوڑ جاویں گے جو ہمارے سلسلہ کی اشاعت کے لئے مفید ہوگا۔

دعا

میں آخر میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر کے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ اس فتنہ و فساد میں سے وہ ایسے خیر و خوبی کے پہلو پیدا کر دے کہ اسلام کا بول بالا ہو اور حجاز مسیحی اثر سے بالکل پاک رہے اور دجّال کا رُعب خانہ خدا میں رہنے والوں کے دلوں سے دُور رہے۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ۔

خاکسار

مرزا محمود احمد

(الفضل ۲۰-جون ۱۹۲۵ء)